میراجی کے گیتوں میں ہندی لفظیات کی ثقافتی معنویت

ڈاکٹر فرحت جبیں ورک*

Abstract:

Meera Jee's name is a big reference in the Urdu Poetry of the twentieth century. With regard to the modern literature, the Progressive Writers' Movement attracted the Urdu poets to political, social and cultural ideology, the writers did not look at the other ideas and theories of life and universe. At this time Meera Jee instead of writing on politics, economy and the history of the society ventured into those worlds of subconscious mind that we do not see the example of in the Urdu poetry particularly in the song writing.

In this article, basic discussion of Indian Islamic Culture in the twentieth century is made in the light of which, the cultural meaning of Hindi words in his song writings is raised. It is so because the usage of Hindi words in Urdu poetry is not only insufficient but also unnecessary in understanding the Islamic culture and civilization. This article helps us in understanding the significance of culture in the human life, the cultural necessity of Hindi words that entered the song writings and what distinction does it provide to the songs of Meera Jee.

دنیا کی ہر بڑی زبان کی طرح اردو ادب کا ذخیرہ بھی وسیع ہے اور دیگر زبانوں کی مانند اردو ادب میں بھی شاعری کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اردو زبان اور شعر و ادب میں جہاں اور بہت سی زبانوں کے الفاظ، تراکیب،

* صدر شعبہ اُردو، فاطمہ جناح وویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

مرا کب ترا کیب اور محاورات نے جگہ بنائی ہے وہیں اردو زبان کی نشو ونما میں ہندی عناصر بھی اہم رہے ہیں اور مقامیت کے اثرات اب مکمل طور پر زبان کا حصہ ہیں۔یہی وجہ ہے اب انگریزی زبان کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ہم روزمرہ میں ساختہ و بے ساختہ ہندی کے الفاظ کو شامل کرنا فرض عین بھی سمجھتے ہیں۔

موجودہ دور میں تو اس امر پر نظریہ لچکدارریت کو دلیل سمجھا جا سکتا ہے کہ گلوبلائزیشن نے زبانوں کو ایک زبان میں ضم کرنا شروع کر دیا ہے اور ایک وقت آئے گا کہ جب ہر زبان کا مطلب سمجھ آنے لگے گا۔

بہر حال ایک وہ بھی دور تھا کہ جب تقریباً ایک صدی پیچھے ۱۹۳۹ء میں دنیا جنگِ عظیم دوم کے سہائے ماحول میں گرد آلو ذہن اور دبے خیالات کے جکڑ کا شکار تھی اور ایسے میں ترقی پسند تحریک کے زور و شور میں سے حلقہ ارباب ذوق نے جگہ بنانے کی جرات کی یوں کافی حد تک ترقی پسند کے سر پھرے باغی شریر سے دھیمی چال والے حلقہ ارباب ذوق نے جنم لیا کیونکہ حلقے کے بہت سے ادیبوں پر کبھی ترقی پسندیدیت کا گمان گزرتا ہے تو کبھی حلقے کا۔اسی حلقے میں ایک شام قیوم نظر ایک گوہر نایاب کو کھینچ لائے جو ثنااللہ سے میراجی کے نام سے شہرت کے آسمان پر آج بھی ایستادہ ہیں۔

بقول ڈاکٹر رشید امجد:

> ''ابتدا میں میراجی حلقہ کے رکن نہ تھے لیکن جب ایک بار وہ قیوم نظر کے ساتھ حلقہ میں آئے تو پھر آہستہ آہستہ حلقہ کی بنیادی شخصیت بن گئے۔حلقہ کا تشخص ان سے اور ان کا تشخص حلقہ سے ابھرا۔ان کی بحثوں نے حلقہ میں نئی جان ڈال دی۔''(۱)

لہٰذا بیسیویں صدی کی اردو شاعری میں ہندی اثرات کا جاندار اثر جن شعراء کے ہاں نظر آتا ہے لامحالہ میراجی ان م یں سے ایک ہیں۔یوں تو میراجی آزاد نظم کے بانیوں میں سے ہیں مگر ان کے گیت بھی ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔میراجی کی کلیات میں ''۱۳۸'' گیت ہیں اور تمام گیت پڑھنے کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان کے گیت اور نظمیں ایک ہی مٹی سے گندھے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ سجاد باقر رضوی کہتے ہیں کہ: میراجی کی نظمیں ان کے گیتوں سے نکالی ہوئی قلمیں ہیں۔''(۲)

لہٰذا نظموں کی طرح میراجی نے ہندی اساطیر، ذخیرہ الفاظ، تہذیب و معاشرت اور دیوی دیوتاؤں کے تصورات سے اپنے گیتوں کو بھی مزین کیا ہے۔کہا جا سکتا ہے کہ میراجی اپنے مزاج کی وجہ سے قدیم ہندو و تہذیب کو دل میں سموئے بیٹھے تھے۔اسی بنا پر ہر وہ وشنو بھگتی تحریک سے بھی متاثر رہے۔

اس امر کی وضاحت ڈاکٹر وزیر آغا کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ:

> ''وشنو بھگتی تحریک سے میراجی کے تعلق خاطر بھی دراصل ویسی تہذیب کے ماضی کی طرح اس کی مراجعت ہی کو ظاہر کرتا ہے پھر خود وشنو بھگتی تحریک میں تفہیم، زرخیزی،

> بت پرستی، چمٹنے اور لپٹنے کے جو اوصاف موجود تھے میرا جی کے ہاں بھی ابھرتے چلے گئے مثلاً کرشن اور رادھا کے معاشقے نے اس پر گہرے اثرات مرتب کیے اور ہندو مندروں میں متھن کی روایت، کالی اور شولنگ کی پوجا کے رجحان اور جنگل کے معاشرے نے اس کی نظم میں جنسی پہلوؤں کو ایک خاص صورت عطا کی۔ (۳)

یہ وہ ہند ثقافتی نظام تھا کہ جس نے میرا جی کو اس وقت پرزور انداز میں اپیل کیا جب ثنا اللہ ڈار نے میرا سین کو اس شدت سے چاہا کہ خود میرا بن گئے۔ یوں میرا جی چودہ برس خاموش عشق کرنے میں مصروف رہے۔ اپنے عشق و رومانی طبع کی بنا پر میرا جی کا خیال تھا کہ عورت سے عشق کیے بغیر زندگی جینا ناممکن ہے۔

عورت اور اس کے وجود کی رونق سے بننے والا معاشرہ، میرا جی کے لیے خاصا مقبول موضوع ہے۔ اس کی وجہ بہت سے حالات رہے ہوں گے مگر اہم وجہ بچپن کی محرومیاں، والد کا سخت رویہ اور اسی بنا پر والدہ سے زیادہ لگاؤ بنا۔ ہندی اساطیر و تصورات کی سوچ میں غلطاں رہنا۔ نفسیاتی و جنسی الجھنوں کا شکار بننا۔ یہ وہ باتیں تھیں کہ جنھوں نے میرا جی کی شاعری، خاص کر گیتوں کو ہندی اساطیر، ذخیرہ الفاظ، تہذیب و معاشرت اور دیوی دیوتاؤں کے تصورات سے مزین کیا۔ میرا جی کے گیتوں کا جائزہ لیا جائے تو آخیر میں ایک ایسے شخص کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے جو تمام عمر بھنور میں الجھا گیتوں اور نظموں کی آڑ میں حیات و کائنات کی اصل کو سمجھنے کی کوشش ہی کوشش کرتا رہا اور خود تو سمجھ پایا مگر اپنے وجود کی بہت سی پراسراریت چھوڑ گیا۔ ادیبوں، قاریوں اور ماہرین جنسیات و نفسیات کے لیے چھوڑ گیا۔ بقول ڈاکٹر رشید امجد:

> ''ماں کے ساتھ اس غیر معمولی تعلق نے انہیں ہندی دیومالا کے بھی قریب کیا کیونکہ ہندی دیومالا کا مزاج بھی مادی ہے۔ خصوصاً کرشن اور رادھا کے قصے میں رادھا بیک وقت محبوبہ بھی ہے اور ماں کی مامتا بھی رکھتی ہے۔ دوسری وجہ جو خارجی ہے یہ کہ میرا جی بچپن میں بہت عرصہ تک اپنے والد کے ساتھ جنوبی ہندوستان میں رہے جہاں کے مناظر اور ثقافتی ریوں نے ان پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ تیسری وجہ وہ تحیر اور اسرار خود لیے جو دیومالائی کہانیوں کا خاصہ ہے۔ یہ تحیر اور اسرار خود میرا جی شخصیت میں بھی تھا۔ چنانچہ انہوں نے خود کو ابتدا ہی میں دیومالائی کردار تصور کرنا شروع کر دیا۔ اپنی محبوباؤں کو بھی انہوں نے دیویاں ہی سمجھا۔ جن کے ساتھ تصوراتی اور روحانی محبت تو کی جا سکتی ہے لیکن جن کے جسموں تک رسائی ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنی کسی محبوبہ کو جسمانی طور پر پانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ (۴)

یہی تمام حسرتیں وہ گیتوں کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ ان تمام گیتوں میں ہندی الفاظ و تراکیب کا استعمال

، ہند دھرتی، زبان وثقافت سے ان کے بے پایاں خلوص کا اظہار ہے۔ میرا جی کے مزاج، زبان وگفتار سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تہذیب وثقافت ان کے رگ وپے میں سرایت کرگئی تھی۔

میرا جی ہندی، اردو اور فارسی گیت نگاری کی روایت سے خوب آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے گیتوں میں ان تینوں زبانوں کے گیتوں کی خوبصورتی، حسن اور موضوعات خود بخود درآئے۔ ہندی شعروادب میں سب سے اہم ترین صنف گیت ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی گیت جو برصغیر میں مختلف مواقع پر یز ہے اور گائے جاتے تھے۔ ان گیتوں کی روایت اردو شعروادب کا حصہ بھی بن گئی۔ عظمت اللہ خان سے لے کر میرا جی تک آتے آتے اردو گیت میں ہندی لفظیات کا ثقافتی حوالوں سے درآنے کا عمل دخل مختلف طرح سے دیکھنے کو ملتا ہے۔ میرا جی کی گیت نگاری میں جو بات سب سے پہلے منظر عام پر آتی ہے اور جسے اردو تنقید نے کچھ زیادہ لائق اعتنا نہ جانا وہ یہ ہے کہ میرا جی کے گیتوں میں جو الفاظ، استعارے، تشبیہات، رمز وکنایے اور دیگر تراکیت آئی ہیں، اس کا تعلق لفظیات ومرکبات کی حد تک تو ہندی زبان اور ہندی اساطیر سے ضرور بنتا ہے لیکن اپنے ثقافتی معنوں میں اس کا تعلق خالص ہندی تہذیب یا ہندی اساطیر سے ہرگز نہیں ہے۔ میرا جی نے اپنی افتادِ طبع اور موضوعات کی مناسبت سے اپنے گیتوں میں ہندی لفظیات سے جو کام لیا ہے۔ اس کے نتیجے ثقافتی، پہلو منظر عام پر آتے ہیں۔ اس کا تعلق ہندی اساطیر یا مذہب کی بجائے، اس روزمرہ زندگی کے بیانیے کے ساتھ ہے کہ جس میں پاک وہند کا کوئی بھی شہری زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ وہ بیانیہ (Discourse) ہے کہ جس کے آئینے میں وہ اپنی زندگی کی محرومیوں کا بھرپور تصور پیش کرتے ہیں۔ لہذا ہندی اساطیر سے جو کردار میرا جی نے اپنے گیتوں کے لیے منتخب کیے ہیں وہ اپنی معنوی تشکیل میں ہندی اساطیر کی محتاج نہیں ہیں بلکہ ہندی اساطیر اور اس کے کرداروں سے تخلیقی سطح پر اپنے موضوع کے حوالے سے کام لینے کی تدبیر میرا جی نے کی ہے۔

ان کے پہلے گیت کے موضوع سے بھی ان کے گیتوں میں بسا کلچر سامنے آجاتا ہے کہ ''ایک کا گیت، جو سب ہے'' یعنی ایک جیسے ساجی دکھ۔ یہاں ''مندر کانت'' کا حسن ایک ایسے ساج کی خواہش ہے کہ جس میں خوبصورتی اور سکھ شانتی ہو۔ تیری میری کا جھگڑا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ''چندر کانت'' اس شخص کا روپ ہے جو امن اور شانتی کا خواہاں ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ وہ یہ شانتی عورت کے روپ میں محسوس کرتے اور دکھانے کے خواہاں ہیں۔

''چندر کانت ہے سب سے پیاری،
چندر کانت ہے سب سے اچھی،
میں تو جانوں

چندر کانت بھی ہے اتنا تو جانتی،
چندر کانت سے من میں آئی شانتی،

(کلیات میرا جی، ص۔۵۸۸)

یہ ہندو دیو مالا اور فلسفے سے خاص رغبت کا نتیجہ ہے کہ میرا جی کے گیتوں میں رادھا، کرشن، مندر، پجاری، آرتی، دیوداس، براندابن اور جمنا ہٹ کے ذکر تواتر سے ملتے ہیں۔ بنیادی طور پر ان ساری رغبتوں کے پس پردہ میرا جی ایک ایسے سماج کی تشکیل چاہتے ہیں جہاں مکمل آزادی ہو یہی وجہ ہے کہ میرا جی عورت کی آزادی کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔ یہ میرا جی ہی ہیں کہ ہند تہذیب وثقافت کی اوڑھنی اوڑھنے والی ایک اساطیری عورت کی بابت کھول کر بیان کرتے ہیں۔ رادھا اور کرشن کی محبت اور جدائی کی کیفیت بنیادی طور پر میرا جی کی اپنی ذات اور ہر انسان کے دکھوں کا بیان ہی تو ہے۔

اس طرح وہ تمام گیت جو موسموں کے حوالے سے میرا جی نے لکھے ہیں۔ ان گیتوں میں روایتی انداز میں کسی نہ کسی برہن کا ذکر کیا گیا ہے جو محبوب کے انتظار میں بہت ملول اور دلگرفتہ ہے۔ ان گیتوں میں آنے والے الفاظ مثلاً سندیسہ، سکھی، رام دہائی پریم اجالا اور رین وغیرہ ایسے الفاظ ہیں کہ جو اپنی ثقافتی معنویت میں ایک ہندوستانی عورت کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں کہ جس کا شوہر یا محبوب روٹی روزی کے سلسلے میں اپنے گھر محبوب یا بیوی کو چھوڑ کر، کہیں دور دیس چلا گیا ہے اور جس کی یادیں اسے ہر پل ستاتی رہتی ہیں۔ موسموں کا بدلنا، اس برہا کے لیے کبھی محبوب کی آمد، سنگت یا محبت کا پیغام لاتا ہے تو کبھی محبوب کا فراق، اسے بے کل و بے چین کر دیتا ہے مثلاً

آج بسنت سہائے سکھی رہی مو ہے آج بسنت سہائے
آج پیا گھر لوٹ آئے　　　سکھ کا سندیسہ بھی لائے
جنم جنم کے قول نبھائے

(کلیات میرا جی، ص۔۵۹۰)

اس طرح ایک اور گیت بھی کہتے ہیں:
بھیج بھیج سندیسے اپنے مجھے ستانے والے
جب تیرا سندیسہ آئے برہا اگن بھڑکائے
ساگر نینوں کا سوکھے من کا سوتا بہہ جائے

(ایضاً، ص۔۴۰۳)

ان گیتوں کی لفظیات میں ہندی الفاظ جس سلیقے اور ڈھب سے آئے ہیں، اس کے باعث ہندی کے یہ الفاظ اس ہندی کے یہ الفاظ اس ہندا سلامی ثقافت کے نمائندہ بن گئے ہیں کہ جس میں رہنے اور بسنے والے لوگ اپنے گھریلو،

سماجی اور ثقافتی تعلقات میں ایک دوسرے سے ملتے ملاتے بھی ہیں، ناراض بھی ہوتے ہیں، لطف ومحبت کا اظہار بھی کرتے ہیں، کبھی تنہا ہوجاتے ہیں تو کبھی مجبور ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ وہ زندگی جسے میرا جی نے اپنے گیتوں میں پیش کیا ہے۔ وہ زندگی گیتوں میں اپنی لفظیات کے باعث ہمارے لیے کوئی اجنبیت پیدا کرنے کی بجائے ہمارے خاص ہند اسلامی ثقافت کے نمائندہ بن جاتے ہیں۔

گیت پڑھتے ہوئے ایک پل کے لیے بھی ایسا احتمال نہیں ہوتا کہ اگر گیتوں میں موجود ہندی الفاظ نہ ہوتے تو گیت کچھ اور بہتر رنگ اختیار کر لیتے۔ میرا جی کے ان گیتوں کی قبولیت کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ان میں آنے والے ہندی الفاظ، ہماری قومی زبان اور پاک سرزمین کے باسیوں کے لیے ہرگز نامانوس نہیں ہیں۔ مثال:

شرمیلی، نربل سی ناری سہم سہم نہ جائے
بھگون اس کو راہ بتائے، تھام کے لائے ہات
اودھو
بہت چلی ہے رات

(میرا۔ص۔۴۰۵)

اس بند میں شرمیلی، ربل سی ناری، بھگون، ہات، اودھو وغیرہ اگرچہ ہندی لفظیات ہیں لیکن پڑھت میں ہماری اسی ثقافت کا حصہ بنتے ہیں کہ جس میں ہندی اور اردو زبان کے باہمی اشتراک نے اردو شعر وادب کی دنیا کو ارتقائی بخشا ہے اور ہم یہ الفاظ اپنی ثقافتی زندگی میں بھی اسی سہولت سے استعمال کرتے ہیں کہ جس سہولت سے خالص ہندی زبان اور اس کی ثقافت میں استعمال ہوتے ہیں:

میرا جی گیتوں میں ہندی تہذیب وثقافت کے حوالے سے جو ہندی رسم و رواج میلوں ٹھیلوں اور دیگر مذہبی پہلوؤں کا اظہار ملتا ہے۔ اس کے پیش نظر قرات کو ہندو ثقافت کے پس منظر میں دیکھا اور سمجھا جائے۔ ایسا صرف اس لیے ممکن ہوسکتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ہم ادب کو بطور فن مطالعہ نہیں کرتے اور نہ ہی ادب میں آنے والے الفاظ کی ادبی معنویت سے آشنا ہوتے ہیں، جب ہم میرا جی کے گیتوں کا ان کے ادبی معنوی نظام میں مطالعہ کرتے ہیں تو ہندومت کے رسم ورواج اور مذہبی حوالے، تشبیہات، استعارے یا کنایے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ تشبیہات، استعارے اور کنایے محض کسی مخصوص مذہب کا ثقافتی اظہار بن جاتے ہیں کہ جو ادب کے معنوی نظام میں اپنے اندر ثقافتی قدریں رکھتے ہیں۔ مثال ملاحظہ کریں۔

جس کے دل میں دکھ کا بسیرا اس کو ایک ہیں سانجھ سویرا،
دونوں ایک ہیں سانجھ سویرا، نور اندھیرا دونوں ایک
سکھ ہے سپنا دکھ ہے اپنا

یہاں گھر میں بیٹھ کر ملا چنا ہمارا معاشرتی کلچر ہے۔ لہذا یہاں دراصل مندر کی پوجا یا بھگوان کی کرپا محض کسی مخصوص مذہب سے ستعار لفظیات کا ثقافتی حوالہ نہیں رہ جاتے بلکہ ایسا بیانیہ اپنی ثقافتی قدر میں آفاقی بن جاتا ہے۔ میرا جی کے گیتوں میں ہندی الفاظ و مصرعے جس صرفی ونحوی ترتیب میں آئے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ترتیب خالص ہندی زبان کی صرفی ونحوی ترتیب ہرگز نہیں ہے۔ اس بات کے اہتمام نے میرا جی کے گیتوں میں ہندی لفظیات کے جس معنوی جوہر کو اپنے گیتوں میں برتا ہے۔ وہ اردو میں آ کر، اردو ہی کی صرفی ونحوی ترتیب میں ڈھل گیا ہے۔ میرا جی کے گیتوں میں جا بجا ایسے بسیمار بند موجود ہیں کہ جن میں ہندی الفاظ کا اوپرا پن اردو میں آ کر گھل مل جاتا ہے اور قاری کو ان الفاظ سے کسی بھی قسم کی کوئی بیگانگی محسوس نہیں ہوتی۔ ان لفظیات کی ثقافتی معنویت ایک اردو کے قاری کے لیے ویسے ہی بن جاتی ہے جیسی ایک ایسے اردو کے قاری کے لیے ہو سکتی ہے کہ جس کے مطالعے میں خالص اردو کے الفاظ آئے ہیں۔ مثال:

جیون ایک مداری پیارے کھول رکھی ہے پٹاری
کبھی تو دکھ کا ناگ نکالے پل میں اسے چھپالے
کبھی ہنہائے کبھی رلائے بین بجا کر سب کو رجھائے
اس کی ریت انوکھی، نیاری، جیون ایک مداری
کبھی نراشا کبھی ہے آشا پل پل نیا تماشا
کبھی کہے ہر کام بنے گا جگ میں تیرا نام بنے گا
بنے دیا تو ہتیا چاری، جیون ایک مداری

ص۔۶۲۵

اس بند میں جیون، مداری، پٹاری، ناگ، بین، رجھائے، ریت، نیاری، نراشا، آشا، دیا لو اور ہتیا چاری ہر گز ایک ایسا علامتی نظام نہیں کہ جو اپنی ثقافتی معنویت میں ہندو مذہب یا صرف ہندو دیو مالا کا اثاثہ ہوں۔ ایسے تمام الفاظ دراصل ہماری اس ثقافتی معنویت کو منظر عام پر لے کر آتے ہیں کہ جن سے آگاہ کرنا میرا جی اپنی شعری لفظیات میں ضروری سمجھتے ہیں۔

میرا جی گیت محض، گیت نگاری کے لیے نہیں لکھے بلکہ ان کے ہر گیت میں کوئی نہ کوئی ایسا پیغام ضرور ہے کہ جس کا تعلق ہماری ثقافتی سچائیوں اور دانش کے ساتھ ہے۔ اس حوالے سے اپنے گیتوں میں میرا جی نے جس ہندی لفظیات کو اپنے گیتوں کی ثقافتی معنویت کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس کا براہ راست تعلق میرا جی کی فکر کے ساتھ ہے۔ میرا جی نے اپنے افکار کی تفہیم اور پیش کش کے لیے اپنے گیتوں میں جس زبان کو منتخب کیا ہے۔ وہ زبان بشمول ہندی الفاظ کے دراصل میرا جی کی فکر کو ابلاغ بخشنے کا ذریعہ بنی ہے۔ ہندی کے یہ الفاظ، ان کی فکر کی تسہیل اور

ابلاغ میں یوں مدد دیتے ہیں کہ ان الفاظ کی معنوی اور ثقافتی قدر ین میرا جی کے گیتوں پر بیانیے کو ایک اچھوتا رنگ عطا کر دیتے ہیں۔ یوں میرا جی کا گیتوں میں اظہار محض الفاظ کی ثقافتی قدروں تک محدود نہیں رہ جاتا بلکہ اس کی وہ معنوی پرتیں بھی قاری کے سامنے کھلتی چلی جاتی ہیں کہ جن کا تعلق میرا جی کی اس فکر سے ہے جو انسان، کائنات اور سماج میں ذہنی و فکری مطابقتوں کی متلاشی رہتے ہیں۔

انہوں نے اپنے گیتوں میں انہی ثقافتی مطابقتوں کے اظہار کو ہندی لفظیات کے ذریعے اجاگر کیا ہے بلکہ انہی الفاظ کے ذریعے انہوں نے اپنی فکر کو بھی بڑی خوبصورتی اور سلیقے سے پیش کیا ہے مثلاً میرا جی کے ایسے بے شمار گیت پیش کیے جا سکتے ہیں کہ جن میں انہوں نے ہندی الفاظ کی ثقافتی قدر کو اپنے فکری نظام کی تشکیل میں بھرپور انداز میں برتا ہے۔مثال

اٹل ریت تو دیکھی نہ بھالی
ان مٹ مورت کس نے ڈھالی
جیسے آئے جائے بہار
کوئی کہے میں سندر نار

(ایضا،ص۔۴۵۰)

اس بند میں ریت، مورت، سندر نار ایسی ہندی لفظیات ہے جو اپنی ثقافتی قدروں میں ہندو صنمیات کا اثاثہ ہیں لیکن میرا جی ان الفاظ کے ذریعے ایسی فکر و سماجی مطابقتیں تلاشی ہیں کہ جو اٹل ہیں مگر انسان سدا بے اعتباری کا شکار رہتا ہے۔ یوں میرا جی کا زندگی کے بارے میں ایک نقطہ نظر بھی سامنے آتا ہے کہ انہونی ایک ایسا مرحلہ ہے کہ جس میں انسانی دانش و فعل کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے جبکہ ہونی ایک ایسا واقعہ ہے کہ جو اپنے تسلسل میں دن رات جاری و ساری ہے۔

میرا جی کی ہندی لفظیات کو اردو گیتوں میں ایک سبھاؤ سے برتنے کا طریقہ خالی خالی بھی نظر آتا ہے کہ جس سے دو زمینوں کی ثقافت یکجا ہوتی چلی جاتی ہے۔اس کی وجہ سے ان کی ہندی لفظیات، رام کہانی، سمادھی، گپت بھون، فیری من، جگت، پتیم، سنجوگ، امرت، سندر من موہن، گیان دھیان، سندیسے، پانڈو رنگ، سمرن، اگنی، پشپا، وتھوبا، چرنوں، ساگر، مکتی، پریت، مورکھ من، پریمی، منوہر، جیون، سوریہ، آکاش، شیام بھجن، نرناری، داس کی بھکشیا، آشا نرشا، بپتا، جے سیتل جے سیتلا، انگ، انسون مالا، رین اجیالی، منڈل، مایا، چرن وغیرہ کا شاعری اور خاص کر گیتوں میں ایک خاص برتاؤ ہے۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

گویا میرا جی نے اردو گیت سے ہندی میٹھے اور کومل الفاظ کو خارج کرنے کی روش کو انتہا پسندی کے مراحل

میں داخل ہونے سے روکا اور گیت کو اس کی مٹھاس اور کوملتا لوٹا دی لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ میرا جی نے گھسی پٹی ہندی تراکیب کے استعمال سے گریز اختیار کیا اور یوں گیت کو ایک انوکھی تازی اور گھلاوٹ عطا کی۔(۵)

میرا جی نے مناظر فطرت، موسم، عورت کے مختلف روپ، دھرتی اور اس میں بسنے والے سماج کے دکھوں کے اظہار کے لیے اپنے جذبوں کو جو قوت گویائی دینے کی جرات کی ہے وہ نا قابل فراموش اور گراں قدر سرمایہ حیات وادب ہے۔مناظر فطرت کی چند مثالیں ملاحظ کیجیے۔

گھوم رہے ہیں ستارے سندر رہے پیارے پیارے
ان کے بھید نہ جانے کوئی، ان کے بھید ہیں نیارے

(ایضاً،ص۔۴۴۹)

پھول پھول کا رنگ جدا ہے اتنی بات مت بھول مورکھ

(ایضاً،ص۔۴۷۱)

نئی رات میں نیا چاند ہو نے ستارے آئیں
سکھ کی۔۔سجائیں
من کی گوریاں کھولو کہ رس کی بوندیں پڑیں
کھولو کوڑیاں بالم! رس کی بوندیں پڑیں
سوان آیا، بادل چھایا
گرجا چمکا مینہ برسایا

میرا جی ہاں رسومات، لباس وجگہ کے ذکر کے پس پردہ بھی مکمل ہندوستانی ثقافت اپنے اپنائیت کا اظہار لفظوں کے معنوی چولے میں جگمگاتا دیکھا جا سکتا ہے۔میرا جی کے گیت دراصل ان کی راز زندگی سے واقفیت، رواداری، انسانی ہمدردی اور گداز دل کی عکاسی کرتے ہیں۔فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو میرا جی گیتوں میں ہندی لفظیات کو ان کے خالص ثقافتی پس منظر کے ساتھ برتنے کی مہارت رکھتے ہیں۔اس عمل کو قلمانے کے لیے وہ قوافی و بحروں کے انتخاب میں چابکدستی اور سب سے بڑھ کر ہر موضوع سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات کا اظہار کرتے ہیں۔

غرض میرا جی کے گیتوں میں ان کے اردو کے مخصوص اسلوب میں ہندی کے الفاظ جس ثقافتی منظر نامے کو ہمارے سامنے لے کر آتے ہیں، ان کی معنوی تکمیل محض ہندی کے الفاظ نہیں کرتے اور نہ ہی ان ہندی کے الفاظ سے کسی مخصوص مذہب یا قوم کا ثقافتی حوالہ ہمارے سامنے آتا ہے بلکہ میرا جی کی وہ زبان جو ہندی لفظیات و مرکبات سے ترتیب پاتی ہے وہ اپنی ثقافتی معنویت میں اردو ہی ہے جیسے میرا جی نے اپنی گیت نگاری کے اسلوب میں

ہندوستانی ثقافت کے ان رنگوں کو ابھارا ہے کہ جن کا تعلق ان آفاقی سچائیوں اور قدروں کے ساتھ ہے کہ جو رنگ، زبان، نسل اور قوم وملت کے تعصّبات سے پاک اور آزاد ہوتی ہیں۔ میرا جی وہ ثقافت جو ان کے اردو گیتوں میں ہندی لفظیات کے وسیلے سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ یہ ثقافت اپنے معنوی پھیلاؤ میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر موجود اس انسانیت کا حصہ ہے کہ جسے رنگ و مذہب کی قید سے آزاد کرنے میں انسانی نے تاریخ میں بے پناہ جدوجہد کی ہے اور انہی جیسے ادیبوں نے ایسا ادب تخلیق کیا ہے کہ جس نے اپنے اپنے معاشرے کی اعلیٰ تہذیبی وثقافتی قدروں کی آئینہ داری کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہوئے اپنے کلچر کی عکاسی کی ہے بقول ڈاکٹر وزیر آغا:۔

جس معاشرے میں کلچر کے اجزائے ترکیبی یعنی عناصر کثیف موجود حصوں وہ کچھ عرصے کے بعد ثقافتی اعتبار سے فعال ہوجاتا ہے اور اس کے فنونِ لطیفہ میں معاشرے کی وہ روح سمٹ آتی ہے جسے اس معاشرے کے کلچر کا بہترین ثمر قرار دینا چاہیے۔(۶)

لامحالہ طور پر میرا جی کے گیتوں سے ایسی ہی ہند اسلامی تہذیب وثقافت کا تصور ابھرتا ہے جو میرا جی کی اپنے کلچر سے ذہنی وجذباتی مطابقتوں کو ابھارتا چلا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ''میرا جی شخصیت اور فن''، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۶، ص ۱۱

۲۔ سجاد باقر رضوی، ''میرا جی کے گیت شمولہ تہذیب واخلاق''، مکتبہ ادب جدید، لاہور، ۱۹۴۴ء، ص ۲۴۹

۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''میرا جی مشمولہ جدید نظم حالی سے میرا جی تک مرتبہ''، کوثر مظہری، مظہر پبلی کیشنز، ۲۰۰۵، ص ۹۷

۴۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ''میرا جی شخصیت اور فن''، ص ۸۹

۵۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''اردو شاعری کا مزاج''، جدید ناشرین، لاہور ۱۹۶۵ء ص ۱۹۴

۶۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''کلچر کا مسئلہ مشمولہ پاکستانی ثقافت''، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد ۱۹۹۹ء ص ۹۵

بنیادی ماخذ

میرا جی، کلیات، میرا جی، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ ۲۰۰۸